U101756 16-12-99

Title - SAWANEH HAYAAT.

Creator - K. L. Raliya Ram.

Publisher - Ray Sahab Munshi Gulab Singh And Sons (Lahore).

Date - 1939

Pages - 54

Subjects - Sawaneh - Hafiz Nazeer Ahmad; Nazeer Ahmad, Dipti - Sawaneh; Tazkira - Masnafeen Urdu - Nazeer

مشاہیر شعرائے ہند

سوانح حیات

شمس العلماء حافظ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب
ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ڈی۔ او۔ ایل

مصنفہ

مسٹر کے۔ ایل رلیا رام ہیڈ ماسٹر
رنگ محل مشن ہائی سکول لاہور

لاہور
رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز
ایجوکیشنل پبلشرز

۱۹۳۹ء

دفعہ دوم | تعداد ۵۰۰ | قیمت ۱۲؍ ۸ پائی

ولادت سکونت

ابتدائی حالات

شمس العلماء مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم ایل۔ ایل۔ ڈی، ڈی۔ او۔ ایل اُن چند مخصوص لوگوں میں سے تھے۔ جو اپنی قوت بازو اور زورِ تدبیر کی بدولت قعرِ گمنامی سے نکل کر شہرت اور ناموری کے آسمان پر نصف النہار کے آفتاب کی طرح چمکتے ہیں یا سیدھے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ اُن خوش قسمت افراد میں سے تھے۔ جو مٹی پکڑیں تو سونا ہو جائے جو تقدیر کے دھنی ہوتے ہیں۔ اور دنیا میں جو بات ہوتی ہے۔ وہ ان کے لئے فائدہ اور ترقی کا پہلو لئے ہوتی ہے۔ اُن کی سوانح عمری ہم لکھے دیتے ہیں۔ واقعات اور سوانح پڑھ کر ناظرین خود فیصلہ کر لیں کہ تدبیر

چلتی ہے یا تقدیر۔ اُن کی زندگی شروع سے آخر تک ایسے واقعات پر مبنی ہے جو ان کے ساختہ پرداختہ نہیں تھے۔ جن پر انہیں مطلق دسترس نہیں تھی، جو اس طرح پے در پے آئے۔ کہ اُن کے تسلسل کو دیکھ کر مشرقی تو مشرقی، مغربی دہریہ بھی پکار اُٹھے گا کہ مشیت آسمانی یا (Providence) اُن کی خوشنودی مزاج حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ کوشش پر آوازہ رہتی تھی +

مولانا کی ولادت ۱۰ دسمبر ۱۸۳۸ء کو گمنام ضلع بجنور کے گمنام قصبہ ریہڑ تحصیل نگینہ میں ایک معمولی مگر شریف خاندان میں ہوئی۔ یہ قصبہ ایک معمولی گاؤں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا صرف تھانہ ہونے کی وجہ سے قصبہ کہلاتا ہے۔ مولانا کے والد مولوی سعادت علی مرحوم فارسی کے اچھے عالم تھے۔ اور شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مشہور خلیفہ شاہ عبدالغفور کی اولاد میں سے تھے۔ جو بلحاظ تقدس و تورع قرب و جوار میں مشہور تھے +

مولانا کی ننہال بجنور میں تھی ان کے نانا قاضی غلام علی شاہ مرفہ الحال تھے۔ انہوں نے مولوی سعادت علی کو خانہ داماد بنا کر بجنور ہی میں بلا لیا۔ اور چار سال کی عمر میں مولانا نے اپنے مولد کو ہمیشہ

کے لئے خیر باد کہہ دیا۔ مولانا کے دو بھائی اور تین بہنیں اور بھی تھیں۔ بڑے بھائی مولوی علی احمدؒ عربی فارسی میں بہت قابل تھے۔ عرصہ تک بریلی کالج میں پروفیسر رہے ۱۹۰۰ء میں بمقام بجنور انتقال کیا۔ چھوٹے بھائی ضمیر احمد عرصہ ہوا۔ گورکھ پور میں سب انسپکٹر پولیس تھے۔ بہنیں نگینہ میں بیاہی گئیں۔ مولانا کے نانا کی وفات پر اُن کے والد نے بجنور ہی میں مکان بنالیا اور وہیں رہ پڑے۔ مولانا پانچویں سال مکتب میں بٹھا دئے گئے۔ قرآن شریف ختم ہُوا تو مدرسہ میں داخل کئے گئے اور تختی کے ساتھ محمود نامہ، کریما ما مقیماں، خالق باری، حمد باری وغیرہم بغل میں داب کر پرانے ٹاٹ کے ٹکڑے کے سامنے کانپتے ہوئے حاضر ہوئے، اور فارسی شروع ہوئی مدرسہ سے مراد آج کل کا مدرسہ نہیں۔ جہاں بیٹھنے کو کرسیاں پانی پلانے کو سقہ، پنکھا کھینچنے کو قلی، اور جغرافیہ پڑھانے کو نقشہ موجود ہے۔ لڑکے کے پاس نوٹ بک۔ اُستاد کے پاس ڈائری، اور ہیڈ ماسٹر کے پاس لاگ بک، گویا ہر فرد بشر یہ چاہتا ہے کہ کراماً کاتبین سے بازی لے جائے۔ بلکہ وہ سو سال پہلے کا مدرسہ تھا، جس کے طلبا صرف زمین پر بیٹھتے تھے۔ اور موسم گرما میں باری باری سے استاد کو پنکھا

کرتے تھے۔ اور فرصت کے وقت گھر کا سودا سلف کیا کرتے تھے۔ اُستاد کا رعب و داب نادر شاہ سے کسی طرح کم نہ ہوتا تھا۔ ایک ہی تھپڑ میں لڑکا دنیا و دین سے روگردانی کر کے سلوک کے بہت سے منازل عالیہ طے کر جاتا تھا۔ ہاں یہ بھی بتا دیں کہ اس زمانہ میں ہر مدرسہ مطلق العنان بادشاہ کے زیرِ نگین ہوتا تھا جس کے فرمان واجب الاذعان کا نہ کہیں اپیل تھا نہ مرافعہ۔ غریبوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، بادشاہوں کے بچوں کو پڑھانے سے پہلے یہ بات خوب ذہن نشین کرائی جاتی تھی کہ ع

جورِ اُستاد بہ ز مہرِ پدر

اللہ! اللہ! کیا زمانہ کا اُلٹ پھیر ہے۔ آج جس اُستاد کے کلاس میں شور سنائی دے۔ وہ بے چارہ مورد الزام ہوتا ہے۔ لیکن سو سال پہلے یہی شور داخلِ حسنات تھا۔ خاموشی سے پڑھنا اس وقت تک ایجاد ہی نہیں ہوا تھا۔ اور نہ صرف پرانے مکتب اپنی مخصوص لے کے لئے مشہورِ آفاق رہیں گے۔ بلکہ یہاں کرشمہ دو کار کے بابت تعلیم دماغی اور ورزش جسمانی بیک وقت ہوتی تھی۔ ہل ہل کے پڑھنا، مُلّا جی یا میاں جی کے دماغی پرواز کی آخری حد تھی۔ جس سے بہتر طریقہ تعلیم متصور نہیں ہو سکتا

تھا۔ کچھ دن مکتب میں گذرے۔ لیکن سوائے کپڑوں میں مخصوص بو آنے کے مولانا میں کوئی خاص بات نہیں آئی۔ مجبوراً والد مرحوم نے خود پڑھانا شروع کیا۔ اور نو سال کی عمر تک تمام درسی کتابیں ختم کر دیں۔ جن میں مینا بازار، سہ نثر ظہوری جیسی کتابیں بھی شامل تھیں۔ جنہیں آج کل کے بی۔ اے پاس سمجھ تو کیا پڑھ بھی نہیں سکتے۔ آج کل یہ تمام کتب پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات ایم۔ اے فارسی و منشی فاضل کے نصاب میں شامل ہیں۔ جو فارسی زبان کے سب سے اعلےٰ امتحان ہیں ٭

اس کے بعد مولانا کے والد نے انہیں مولوی نصر اللہ خاں ڈپٹی کلکٹر بجنور کی خدمت میں پہنچایا۔ جو علاوہ ذی وجاہت ہونے کے بہت بڑے فاضل متبحر بھی تھے۔ اور اُس زمانہ میں دستور تھا کہ شریف خاندانی لوگ محض علم دوستی کی راہ سے بلاکسی معاوضہ کے شرفاء کے ہونہار بچوں کو اعلےٰ تعلیم دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ ورنہ آج کل ہمارے زمانہ میں اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کو خواہ وہ کتنا ہی ہونہار کیوں نہ ہو کسی اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے پاس بغرض تعلیم لے جائے۔ تو باپ اور

بیٹے دونوں کا اللہ ہی مالک ہے۔ غرض مولانا نے ڈپٹی صاحب سے عربی شروع کی۔ اور جب تھوڑے دنوں بعد اُن کا تبادلہ مظفر نگر کو ہو گیا۔ تو مولانا اُن کے ساتھ ساتھ تھے۔ اور پانچ سال میں یعنی بعمر چاردہ سالگی مولانا نے شرح جامی تک نحو عربی میں قطبی تک منطق میں اور میبذی تک فلسفہ میں پڑھ لیا۔ گویا "مولوی عالم" ہو گئے۔ ڈپٹی صاحب کا تبادلہ مظفر نگر سے اعظم گڑھ ہو گیا۔ لہذا مجبوراً مولانا کے والد نے انہیں دلی کی گلیوں کی سیر کرانے کی غرض سے اپنے ساتھ لیا۔ اور اپنے استاد مولوی عبدالخالق صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ جو پنجابی کٹرہ کی مسجد جامع میں درس دیا کرتے تھے۔ پنجابی کٹرہ نے اپنی جان ای آئی آر کے انجن کی سریلی تان پر قربان کر دی۔ اور ریلوے اسٹیشن کو سر آنکھوں بلکہ سینے پر لے لیا۔ اور اپنے وجود کو اس طرح اس ناخواندہ مہمان کے وجود میں فنا کر دیا کہ آج کوئی نہیں جانتا کہ دلی کا بڑا مشہور محلہ پنجابی کٹرہ کس جگہ تھا۔

ابتدائے مولانا کی تعلیم کچھ اچھی ہوئی۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد حسب دستور مولوی صاحب نے گھر کے کام مولانا کے سر پر ڈال دئے۔ اور جب ان کاموں سے فرصت ہوتی تو

مولوی صاحب کی پوتی (مولوی عبدالقادر کی پنج سالہ بیٹی) خدمت لینے کے لئے طیار تھی۔ جب یہ لڑکی مولانا کو بہت دق کرتی تھی۔ تو کبھی کبھی غصہ میں آ کر مولانا اُسے زمین پر زور سے پٹک بھی دیتے تھے۔

ناظرین غور کریں کہ اگر قدرتی طور پر مولانا کی تعلیم اعلےٰ کا دہلی کالج میں انتظام نہ ہوتا تو تمام عمر مسجد کے مُلّا بنے رہتے اور اسی طرح گمنامی میں پڑے رہتے۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے۔ کہ ایک دن مولانا کسی کام سے بازار جا رہے تھے۔ راستہ میں دہلی کالج کے طلبا ڈبل فایل میں گذرتے ہوئے نظر پڑے۔ انہیں جو شوق چرایا تو ان کے ساتھ ایک تماشائی کی حیثیت سے کالج کے دروازہ تک پہنچ گئے۔ وہاں کسی کا دھکا لگا۔ اور مولانا پختہ فرش پر چاروں شانے چت لمبے لمبے لیٹ گئے۔ پرنسپل نے غلطی سے انہیں کالج کا طالب علم سمجھ کر دوڑ کر اٹھایا۔ اور کہا "تم طلبا کی قطار میں کیوں کھڑے نہیں ہوتے؟ انہوں نے کمال سادگی سے کہا جناب میں کالج کا طالب علم نہیں ہوں۔ یونہی تماشہ دیکھنے چلا آیا تھا" اُس نے کہا تم کیا کرتے ہو؟ اُنہوں نے کہا "میں پنجابی کٹڑے کی مسجد کا طالب علم ہوں" پوچھا کیا پڑھتے

ہو؟ کہا" ابوالفضل اور شرح ملا" پرنسپل کو تعجب ہوا کہ اتنا سا لڑکا اور ابوالفضل؟ اندر لے گیا اور مفتی صدرالدین خاں آزردہ سے کہا" یہ لڑکا کہتا ہے کہ میں ابوالفضل پڑھتا ہوں۔ ذرا اس کا امتحان تو لیجئے" مفتی صاحب نے امتحان لیا۔ انہوں نے شرح ملا اور ابوالفضل کی عبارات فرفر سنائیں۔ پرنسپل نے کہا تم ایک ماہ بعد ہمارے کالج میں آکر داخل ہوجاؤ۔ تم کو چار روپے ماہوار وظیفہ بھی ملے گا۔ وہی مثل ہوئی کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے۔ خوشی خوشی گھر واپس آئے۔ اور جنوری ۱۸۴۵ء میں دلی کالج میں داخل ہوگئے۔ کچھ دنوں کرائے کی کوٹھڑی میں رہے بعد ازاں مولوی غلام حسین کے ہاں اٹھ آئے۔ جو مولوی عبدالخالق کے رشتہ دار تھے اور ان کے باپ کے دوست تھے۔ اسی عرصہ میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اور خانگی مصائب نے دبایا۔ مگر مولانا نے بہت استقلال کے ساتھ ان مصائب کا مقابلہ کیا۔ تحصیل علم میں دن رات ایک کردیا۔ اور جماعت اول میں چار روپیہ سے چوبیس روپے ماہوار وظیفہ ہوگیا۔ اور قابلیت علمی کی وجہ سے تمغہ بھی پایا۔ اس دوران میں مولانا نے علم ادب علم معانی علم فرائض اور ریاضی

میں قابلیت پیدا کی۔ عربی لٹریچر سے مولانا کو خاص دلچسپی تھی اور یہ شوق آخر دم تک قائم رہا۔

نکاح

مولوی عبدالخالق کی پوتی جسے مولانا نے گود کھلایا تھا۔ اب سیانی ہو گئی تھی۔ مولوی صاحب کو اس کے نکاح کی فکر دامنگیر ہوئی۔ قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند والا مضمون ہو گیا۔ ان کی نگاہ انتخاب مولانا پر پڑی، ایک دن منشی غلام حسین نے ان سے کہا "برخوردار اگر تم کہو تو مولوی عبدالقادر کی لڑکی سے تمہارا نکاح کرا دوں" مولانا رضامند ہو گئے۔ اور جھٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔ مولانا کو ایک خوشی یہ بھی ہوئی کہ انہیں بانات کا انگرکھا۔ جوڑے میں ملا تھا۔ مولانا کا نکاح مفتی صدرالدین خاں مرحوم نے بعوض گیارہ ہزار سکہ رائج الوقت پڑھایا۔ اور جب لڑکی کو یہ کچھ دن ہوئے۔ مارا کرتے تھے۔ وہ ان کی زوجہ بن گئی۔ نکاح کے بعد مولانا کو دلہن کی پھوپھی سے معلوم ہوا۔ کہ جب لڑکی مائیوں بیٹھی ــ تو میں نے کان میں پوچھا کچھ خبر ہے کس سے شادی ہوگی۔ انہوں

نے کچھ جواب نہ دیا۔ تو بیں نے پتہ بتایا سن کر کہنے لگیں "۔ کیا اب بھی مجھے مارا کرینگے؟ میں نے کہا "نہیں، اب تو وہ تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیا کریں گے"۔

مولانا میں غیرت کا مادہ اس قدر تھا۔ کہ اس تعلق کی بناء پر انہوں نے سسرال کا رہنا گوارا نہ کیا۔ اور اپنی بی بی کو سمجھا دیا۔ کہ میں خود اپنی قوت بازو سے کما کر کھاؤنگا۔ اور تمہیں بھی کھلاؤنگا، بے غیرت بن کر خسر کے ٹکڑوں پر نہ پڑونگا"۔ اس شادی کا حال بجنور میں کسی کو نہ بتایا گیا تھا۔ جب والدہ اور ننہال والوں کو پتہ چلا۔ وہ بہت ناراض ہوئے۔ مگر اب کیا ہوتا تھا +

مولانا بدستور پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۸۵۲ء میں آٹھ برس کے بعد کالج کو خیر باد کہا۔ اور اس زمانہ سے اُن کی ملازمت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے +

ملازمت

پنجاب نیا نیا انگریزوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ تعلیم کا دور دورہ شروع ہوا۔ گجرات کے ڈپٹی کمشنر کے دہلی کالج کے پرنسپل کو لکھا کہ کنجاہ ضلع گجرات کے لئے ایک مولوی بھیجو۔ ایک شخص کا تقرر ہو گیا۔ لیکن انہوں نے راستہ میں ہیضہ کیا۔ اور واپس آئے۔ پرنسپل نے مولانا کو ان کی جگہ بھیج دیا۔

مولانا ایک شاگرد کو ساتھ لے کر کرایہ کے ٹٹو پر دلی سے پنجاب کو روانہ ہوئے اور پورے ۲۵ دن کے بعد گجرات پہنچے۔ مسٹر ٹیمپل D.C. سے ملے۔ انہوں نے للعہ ماہوار پر تقرر کر دیا۔ بہزار دقت مولانا کنجاہ پہنچے۔ اور وہاں تعلیم کا ڈول ڈالا۔ اس زمانہ میں لوگ تعلیم سے بھاگتے تھے۔ جس طرح آج انٹرنس پاس نوکری کے لئے دروازہ دروازہ پھرتے ہیں۔ اسی طرح اس زمانہ میں مدرس لوگ دروازہ دروازہ پھرتے تھے کہ بچے اسکول میں آئیں۔ اور بچوں کو زینت بخشیں۔ خیر کسی نہ کسی طرح مولانا نے چند بچے جمع کئے۔ اور انہیں تختیاں لکھ کر دیں۔ اب موٹے پہ سو دو سے

والا مضمون تھا۔ بچے اردو نہیں جانتے تھے۔ اور مولانا پنجابی سے نابلد۔ انہوں نے کہا "بے کے نیچے ایک نقطہ" لڑکوں کو یہ بات، ملٹن کا کلام معلوم ہوئی۔ ان کو کیا پتہ کہ پنجاب میں بے کے نیچے ایک نقطہ نہیں ہوتا۔ بلکہ "بے دے ہیٹھاں اک بندی" ہوتی ہے۔ اور جیم کے پیٹ۔ میں ایک نقطہ نہیں ہوتا بلکہ "جم دے ڈِھڈ وِچ اک بندی" ہوتی ہے۔ غرض زبان یار من ترکی و من ترکی نمیدانم والا مضمون ہوا۔ مولانا یہ حال دیکھ کر اپنی قسمت پر افسوس کرتے کہ ساری عمر حماسہ اور متنبی پڑھتے ہوئے گذر گئی۔ "پڑھانے کو ملے مبتدی اور وہ بھی لڑکے نہیں بلکہ مُنڈے" اُس زمانہ میں ایک خط کی آمد و شد میں مبلغ ۱۲ ر صرف ہوا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں مولانا، کرنیل دھن راج کے بچوں کو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ اور رہائش اور خوراک کی طرف سے بہت آرام ہو گیا۔ لیکن مولانا پنجاب سے سخت بیزار تھے۔ اور اس کی وجہ صاف ہے، انہوں نے ساری عمر دلّی جیسے شہر میں گذاری تھی۔ جو بلحاظ تہذیب و تمدن شائستگی اور معاشرت، اُس زمانہ کے پنجاب سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر تھا۔ پھر بھلا ان کا دل پنجاب میں کس طرح لگتا یہ مانا کہ کنجاہ مصنف

مثنوی غنیمت کا وطن تھا۔ لیکن ایک مثنوی کہاں تک اور کب تک ان کا غم غلط کر سکتی تھی۔ مولانا نے گھر بیٹھے کا غذی گھوڑے دوڑانا شروع کئے۔ خوش قسمتی سے اجمیر اور کانپور سے OFFERS آ گئے۔ مولانا نے ڈپٹی انسپکٹری پسند کی اور کانپور آ براجے۔

یہاں آ کر مولانا کو کچھ سکون قلب حاصل ہُوا اور اپنی علمی قابلیت کی بناء پر تھوڑے ہی دنوں میں مولانا تمام ڈپٹی انسپکٹروں میں ممتاز اور سر برآوردہ سمجھے جانے لگے۔ لیکن خدا "پان" کا بھلا کرے۔ ایک دفعہ مولانا جلسہ تقسیم انعام میں "صاحب بہادر" کے سامنے پان کی گلوری گلے میں دبائے شریک ہوئے۔ وہ انگریز ایک تو فوجی، دوسرے بلا کا صفائی پسند، علاوہ بریں ان کے رخسار کا یکطرفہ غیر فطری ابھار اُسے ایک آنکھ نہ بھایا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد مولانا کو خوب سخت الفاظ میں سرزنش کی۔ مولانا کو بات کی برداشت کہاں! جھٹ استعفا دے دیا، ابھی کوئی کارروائی باضابطہ ہونے بھی نہ پائی تھی۔ کہ "یاران فراموش کردند عشق"، کا منظر رونما ہو گیا۔ یعنی غدر ۱۸۵۷ء کیسی نوکری اور کہاں کی ملازمت، یک بینی و دو گوش کانپور سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور دلّی آ کر دم لیا۔ سچ کہا ہے۔ جان بچی لاکھوں پائے۔

واقعات غدر

مولوی عبدالخالق اور مولوی عبدالقادر وغیرہم متوسلین شاہی میں سے تھے ۔ مرزا ولی عہد بہادر مرحوم کی ایک بیگم جن کا نام محمدی بیگم تھا ۔ مولوی عبدالقادر سے فارسی پڑھتی تھیں ۔ انہوں نے کہلا بھیجا ۔ کہ نواب تاج محل بیگم کی بہن کو معہ اسباب قلعہ میں لوا لاؤ لہٰذا شاہی گاؤ خانہ کے چھکڑے ۔ اور مسجد فتح پوری کے طالب العلم اس کام پر مقرر ہو گئے ۔ ایک دن جب چند طلباء اسباب پہنچا کر واپس آرہے تھے ۔ تو انہوں نے میدان میں انگریزوں کی لاشیں دیکھیں ۔ جو تازہ معلوم ہوتی تھیں ۔ اور ان میں چند میمیں بھی تھیں ۔ ایک زخمی میم میں جان کے آثار نظر آئے ۔ مولانا نے جو اُس مہم کے افسر تھے (یعنی اُن کی سرکردگی میں سامان ، نواب تاج محل کی ہمشیرہ کا قلعہ میں پہنچایا گیا تھا) آگے بڑھ کر اُس میم کو اٹھایا ۔ دیکھا تو زخموں سے چور تھی ۔ اُس نے آنکھ کھولی اور مُنہ سے صرف "واٹر" ادا کر سکی پھر بیہوش ہو گئی ۔ مولانا کے ساتھیوں یعنی منیر اور شعیب کی صلاح ہوئی کہ اسے بھی ٹھکانے لگاؤ ۔ لیکن مولانا

کے سمجھانے سے وہ لوگ اس فعل بد سے باز رہے۔ مولانا نے بہزار دقت پانی مہیا کیا اور اُسے پلایا۔ شعیب چونکہ افغانی تھا۔ لہذا اُسے شعیب کی پیٹھ پر لاد کر پنجابی کپڑے لائے۔ اور مولوی عبدالقادر و مولوی نذیر حسین صاحبان کو اطلاع دی۔ مولویوں نے میم کی بہت خاطر و مدارات کی۔ اور اُسے محفوظ مقام میں چھپا دیا۔ مولوی نذیر حسین نے ایک دفعہ بیان کیا کہ وہ میم بالکل نوجوان تھی۔ بمشکل ۲۰ یا ۲۲ سال کی عمر ہوگی۔ ہندوستانی کپڑے پہنا کر تین ماہ کے قریب ایک کوٹھڑی میں پوشیدہ رکھا۔ وہ اس قدر خوف زدہ تھی، کہ رات کو بھی انگنائی میں نہیں نکلتی تھی۔ اور ساری رات ہاتھ اٹھائے دعا کرتی تھی۔ کہ "اے خدا میرا قصور معاف کر" کئی ماہ کے بعد جب دیگر اطراف سے انگریزی فوجیں دلّی کا محاصرہ کرنے کو آگئیں تو مسز بیسن نے (اس میم کا نام یہی تھا) شعیب کی معرفت کیمپ میں اپنی موجودگی کی اطلاع کرائی۔ اس میم نے مولانا کو ایک تحریر دی تھی۔ کہ وقت بیوقت کام آئیگی۔ چنانچہ ہمارے مولانا نے اُس پرزہ کو تعویذ سمجھ کر پگڑی کے کونہ میں باندھ چھوڑا۔ میم کو بحفاظت تمام انگریزی کیمپ میں پہنچایا گیا۔ اور اسی رات 'جنرل' کا آدمی کہہ گیا کہ مولوی لوگوں کو تو رات رات شہر سے باہر چلا جانا چاہئے۔ صبح دم اسی محلہ سے گولہ باری

شروع ہوگی +

اس خبر کو سنتے ہی مولوی لوگ معہ مستورات اور بال بچوں کے راتوں رات گھر بار چھوڑ بھاگ نکلے - اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے عرب سرائے نظام الدین پہنچے - وہاں بھی امن کی صورت نظر نہ آئی - تو وزیر آباد کا رُخ کیا - لیکن شامت اعمال دیکھئے - ادھر سے ایک دستہ گوروں کا آ رہا تھا - انھوں نے عورتوں سے تو کچھ تعرض نہ کیا - مردوں کو گرفتار کر کے شہر کی حوالات میں لا کر بند کر دیا - مولوی عبدالخالق، مولوی عبدالقادر، مولوی نذیر حسین، مولوی صدیق ہمارے مولانا اور کئی مولوی غرض سب کے سب جان سے نا امید ہو گئے - اور تھوڑی دیر بعد قطار میں بٹھا دئے گئے - ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ بٹھائے گئے - ایک مخبر نشاندہی کرتا جاتا تھا - جس کو وہ کہتا تھا - کہ یہ مولوی ہے یا شاہی خاندان سے ہے - یا فوج میں تھا - تو اُسے فوراً پھانسی دی جاتی تھی - اُس زمانہ میں 'مولوی' ہونا مستوجب قتل تھا - اب ان مولویوں کو یقین ہوگیا - کہ کوئی دم میں سر تن سے جدا ہوتا ہے - لیکن خدا بھلا کرے مخبر کا، اُس نے کہا حضور! یہ تو غریب بساطی ہیں - بالکل بے قصور معلوم ہوتے ہیں - اُس کے کہنے سے ان سب کی جان بچی - جب یہ

لوگ حوالات سے نکلے تو راہ میں مولانا کی ملاقات مسٹر لوئیس سے ہو گئی۔ جو فوجی افسر تھے۔ اور مولانا سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کو اپنے یہاں لے جا کر چائے پلائی۔ اور کمانڈنگ آفیسر سے کہہ کر پروانہ راہداری بھی دلوا دیا۔ اب ان لوگوں نے مستورات کی جستجو شروع کی۔ رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ مولوی شریف حسین اُن سب کو بریا لے گئے ہیں۔ غرض افتاں و خیزاں وہاں پہنچے۔ اور عورتوں کو بحفاظت تمام گھر لائے۔ اسی اثناء میں معلوم ہوا کہ ڈائرکٹر تعلیمات قلعہ میں مقیم ہیں۔ مولانا نے ماسٹر رام چندر عیسائی کی وساطت سے میر کریم بخش میر منشی سے ملاقات کی۔ اور انہوں نے صاحب بہادر سے کہہ کر ان کو الہ آباد کی ڈپٹی انسپکٹری پر مامور کر دیا۔

ماسٹر رام چندر نے ۱۸۵۲ء میں دین مسیحی قبول کیا تھا۔ اور انہوں نے ایک کتاب بھی اسلام کے خلاف لکھی تھی۔ جواب بھی مل سکتی ہے۔

اس غدر میں مولانا کا سارا اثاث البیت خصوصاً جہیز اور دلہن کے زیورات لباس عروسی سامانِ خانہ داری زر و نقد غرض سب کچھ تلف ہو گیا۔ حتیٰ کہ چاندی کا حقہ اور چاندی کا قلمدان بھی۔

مولانا انگریزی فوج کے ساتھ ساتھ کئی ماہ میں الہ آباد پہنچے۔ لیکن ابھی چارج بھی نہیں لیا تھا کہ دلّی سے خبر آئی۔ کہ خاندان پر ایک مقدمہ وارد ہو گیا۔ یعنی مولوی نذیر حسین اور مولوی عبدالقادر (اُن کے خسر) وہابی سازش کے سلسلہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ مولانا فوراً دلّی آئے۔ اور مسٹر لیبسن کو تلاش کیا۔ اور اُس نے عین وقت پر معہ شوہر کے دلّی آکر مسیحائی کی یعنی دونوں مولویوں کو قید سے رہا کرایا۔ مولانا پھر الہ آباد اپنی نوکری پر چلے گئے۔

انگریزی سیکھنا

ہیم کو اٹھا کر لانا پہلا واقعہ تھا۔ اور انگریزی سیکھنا دوسرا اہم ترین واقعہ ہے جس نے مولانا کی زندگی میں آگے چل کر عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ روئداد اس کی یوں ہے۔ کہ ایک دن اُن کے مولانا پن نے انہیں ذرا تکلیف پہنچائی۔ اُن کے افسرِ اعلیٰ نے کوئی بات پوچھی، ایک ماتحت نے انگریزی میں جواب دیا، مولانا کے دل کو لگ گئی۔ اپنے دوست عبداللہ خاں صاحب سے فوراً انگریزی شروع کی۔ اور ۶ ماہ کے عرصہ میں کافی مہارت بہم

پہنچائی۔ ہم لوگ جو اس زمانہ میں رہتے ہیں۔ غدر سے پہلے کے مسلمانوں کی ذہنیت کا مطلق اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہماری سمجھ ہی میں یہ بات نہیں آسکتی۔ کہ وہ مولوی کس دل و دماغ کے تھے۔ جو انگریزی پڑھنے کو کفر سمجھتے تھے۔ لیکن اتنا جانتا ہوں، کہ زمانہ بڑا مصلح ہے۔ وہ کام کر دکھاتا ہے۔ جو بادی النظر میں ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ آج اُن مفتیوں کی اولاد بیدھڑک انگریزی پڑھ رہی ہے بلکہ ولایت جا رہی ہے۔ اور انگریزوں کے ساتھ خورد و نوش کر رہی ہے۔ خیر ان قصوں کو جانے دو۔ مولانا نے انگریزی زبان کے سیکھنے میں غیر معمولی ذہانت دکھائی اور ان کے دوست میر ناصر علی خاں ذوالقدر نے جو الہ آباد میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ اُن کی عربی کی لیاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے، سر ولیم میور لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی واودھ سے کہہ کر مولانا کو انکم ٹیکس ایکٹ کے ترجمہ پر لگوا دیا۔ جو حال میں جاری ہُوا تھا۔

مولانا نے بہتیرا اپنی نالائقی کا عذر کیا۔ مگر میر صاحب نے، انہیں لاٹ صاحب سے ملا ہی دیا۔ اور لاٹ صاحب نے انہیں اس کام کے لئے منتخب کر لیا۔ انسپکٹر آف سکولز بابو شیو پرشاد جو بہت پکے ہندو تھے۔ اور ان کو خدا نے غدر کے صلہ میں

سی، ایس، آئی کا خطاب ملا تھا۔ سخت حیران ہوئے۔ جب ان کے سامنے لاٹ صاحب کی چٹھی آئی۔ کہ نذیر احمد کو ترجمہ کے لئے سبکدوش کر دو۔ غرض مولانا نے آدھا ترجمہ ختم کیا تھا۔ راجہ شیو پرشاد وھم سے بیچ میں آ کودے۔ انہیں بھلا یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی کہ نذیر احمد کوئی ایسا کام کرے۔ جو سرکار میں مستحسن ہو۔ پھر آدھے میں وہ بھی شریک ہو گئے۔ لیکن نذیر احمد کو جو فائدہ پہنچنا تھا وہ پہنچ کر رہا۔ یعنی جب تعزیرات ہند کا ترجمہ شروع ہؤا تو مولانا کو بھی اس میں شریک کیا گیا۔ اور اُس کے صلہ میں مسٹر Low نے جو لاٹ صاحب کے سیکرٹری تھے۔ ان کو تحصیلداری کا مژدۂ جانفزا سنایا اور ۱۸۶۱ء میں مولانا کانپور متعین کئے گئے۔ یہاں پہنچ کر مولانا کو معلوم ہؤا۔ کہ تحصیلداری کے امتحان میں صرف تین ماہ باقی ہیں۔ مگر محنت اور ذہانت دونوں رفیقوں کا خدا بھلا کرے۔ جن کی بدولت ہمارے مولانا اس امتحان میں اوّل نمبر پر کامیاب ہو گئے +

اب سنئے۔ اسی سال ضابطہ فوجداری کے ترجمہ کو درست کیا۔ اور اُس کے صلہ میں مولانا ۱۸۶۳ء میں ڈپٹی کلکٹر بنا دئے گئے۔ کانپور سے گورکھپور اور وہاں سے جالون پھر وہاں سے

گورکھپور اور وہاں سے اعظم گڑھ آئے۔ یہاں آکر مولانا نے علم ہیئت کی ایک کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کے علاوہ دس اور تراجم ہوئے۔ لیکن ان کا ترجمہ سب سے اچھا رہا۔ اور گورنمنٹ نے اُسے حیدرآباد کے امیر کبیر جناب نواب رفیع الدین خاں بہادر عمدۃ الدولہ شمس الامرا بالقابہ کے پاس بغرض اصلاح بھیجا۔ امیر کبیر نے، سر سالار جنگ بہادر کی معرفت اُسے نواب عماد الملک بہادر کے پاس بھیجا۔ اس ترجمہ نے حیدرآباد کے ارباب حل وعقد کی توجہ اس خوش قسمت ڈپٹی کلکٹر کی طرف پھیر دی۔ اور کچھ دنوں کے بعد سر سید کی معرفت منجانب نظام گورنمنٹ اس مضمون کا فرمان مولانا کو ملا، کہ آپ کا تقرر ریاست میں ساڑھے آٹھ سو روپے ماہوار پر ہو گیا ہے۔

مولانا نے اس معاملہ میں اپنے بیٹے سے مشورہ کیا۔ اور یہی رائے ہوئی۔ کہ "لعل قیمت کو پہنچتا ہے۔ بدخشاں چھوڑ کر"۔

حیدر آباد کی ملازمت

قصہ مختصر مولانا نے یکم اپریل ۱۸۷۷ء کو اعظم گڑھ سے فرلو حاصل کی اور دہلی آکر سامانِ سفر درست کیا۔ اور اپنے داماد مولوی احمد حسن، اور بہنوئی مولوی رفیع الدین کو ہمراہ لے کر ۲۷ر اپریل کو حیدر آباد پہنچ کر جناب نواب محسن الملک بہادر کی کوٹھی پر قیام کیا۔ سر سالار جنگ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بارہ سو چالیس روپے ماہوار تنخواہ مقرر کر کے ملک تلنگانہ کے دو ضلع ناگر کرنول اور تلگنڈہ ان کے چارج میں دئے اور دونوں ہمراہیوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو ماہوار کا ملازم کر کے اُن کی ماتحتی میں دے دیا۔

مولانا جب حیدر آباد پہنچے۔ تو ان کے لئے وہ ایک نئی دنیا تھی۔ وہاں کے ساز و سامان تزک و احتشام دیکھ کر ان کو خدا یاد آتا تھا۔ جب حیدر آباد کا مقابلہ دلی اور لکھنؤ کی حالت سے کرتے تھے۔ تو ان دونوں کا اس کا عشر عشیر بھی نہیں پاتے تھے۔ شہر میں جا کر جب دیکھتے تھے۔ کہ ہجوم کے مارے تل رکھنے کی

جگہ نہیں - اور ہجوم بھی قلیوں کا نہیں - بلکہ اُمرا اور رُؤساء کا جنکی اردلی میں پلٹن اور رسالہ چلتا تھا - تو حیرت کے دریا میں غوطہ زن ہو جاتے تھے +

الغرض مولانا دورے پر نکلے - مولانا کو اختیار دیا گیا تھا - کہ کل دفاتر عدالتوں، جیل خانوں کا معائنہ کرو، عہدہ داروں کے نام احکام جاری ہو گئے تھے کہ مولانا کے سامنے تمام دقیق مسائل تصفیہ کے لئے پیش کرو +

مولانا جو کچھ دیکھتے - اس کی رپورٹ فارسی میں لکھ کر سر سالار جنگ کے پاس روانہ کرتے - اُس زمانہ میں حیدر آباد میں فارسی کا عام رواج تھا - مولانا نے عربی کو تو خوب حاصل کیا تھا لیکن فارسی انشاء میں مہارت نہ تھی - تاہم چونکہ مولانا قسمت کے دھنی تھے - لہذا جس کام کو کرتے تھے - باحسن اسلوب رونما ہوتا تھا چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں - "ساری عمر فارسی نہیں لکھی تھی - لیکن جب لکھی تو ایسی لکھی کہ تمام حیدر آباد میں غُل مچ گیا - اور لوگ لوہا مان گئے

چند فقرے ملاحظہ ہوں +

"دوم تعلقہ دار دورہ کہ می کنند بطور سیاحت، روز نامچہ کہ می نویسند بطور حکایت دستخطے کہ می کنند ہچو زلف محبوبان افشاں وخیزاں"

دار المصنفین

"خاصیت ماکیاں وارد خود نمی خورد بچگان را می خوراند"

"سالے برانبار پاوتی ہا دستخط کردن وامید انتظام داشتن دماغ بیہودہ پختن است" "کردی خراب کردی"

مولانا کے روزنامچے اور روبکار حیدرآباد میں اس طرح پڑھے جاتے تھے جس طرح مشاعروں میں غزلیں، خود سرسالار جنگ بہادر مولانا کے خطوط مزے لے کر پڑھتے ۔ اور حسن تحریر کی داد دیتے تھے ۔

علاوہ بریں مولانا کی رائے اس قدر صائب اور نپی تلی ہوتی تھی ۔ کہ سرسالار جنگ آپ کی انتظامی قابلیت کا لوہا مان گئے ۔ اور جب فرلو کا زمانہ ختم ہوا ۔ تو مولانا نے نواب محسن الملک بہادر کی معرفت یہ بات سرسالار جنگ بہادر کی خدمت میں پیش کی ، کہ میں رخصت کے ختم ہونے پر ہندوستان واپس جاؤنگا ۔ چونکہ وہاں کے حکام سے میری شناسائی ہے ۔ میں اپنے اعزہ کے لئے ملازمتوں کی فکر کرونگا ۔ سرسالار جنگ نے بلایا اور کہا "آپ اُن لوگوں کے نام پیش کریں" ۔ مولانا نے اپنے بیٹے اور دونوں دامادوں یعنی حاجی احمد حسن اور منشی شرف الحق کے اسماء پیش کر دئے ۔ اُنہیں بھی اِنہیں کی ماتحتی میں اچھی اچھی ملازمتیں مل گئیں ۔ سرسالار جنگ کو مولانا کی قابلیت

پر یہ اعتماد ہؤا کہ اپنے دونوں بیٹوں نواب میر لائق علی خاں اور نواب میر سعادت علی خاں کو مولانا کی خدمت میں بھیج دیا - کہ ان کو کام سکھائیں - کثرت کار کی وجہ سے مولانا کو اس عرصہ میں تصنیف و تالیف کا موقعہ نہیں ملا، لیکن خوش قسمتی سے میر محبوب علی خاں خلد آشیان کے ذی اختیار ہونے کا وقت قریب آگیا - گورنمنٹ آف انڈیا کے ایما سے ریزیڈنٹ نے سر سالار جنگ کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ نظام کو انتظامی معاملات سے آگاہ کرنا چاہئے سر سالار جنگ نے مولانا سے کہا کہ نظام کے لئے کچھ رسائل لکھ دیجئے - چنانچہ مولانا نے گیارہ رسالے خاص حضور نظام کے لئے تصنیف کر دئے - جب اپنی جڑ مضبوط ہوگئی - تو مولانا نے بڑی خوشی سے گورکھپور اور اعظم گڑھ کی چار صدی ڈپٹی کلکٹری سے استعفاء دے دیا - اب بفضل خدا بارہ سو چالیس پا رہے تھے۔

حیدر آباد کی ملازمت دینی لحاظ سے بھی عمدہ ثابت ہوئی، اور مولانا نے جب وہ حیدر آباد کے شمالی علاقہ میں صدر تعلقہ دار تھے۔ سات ماہ میں قرآن شریف حفظ کرلیا - اس کارخیر میں ان کی لائق خدا پرست اور دیندار بی بی اُن کی مدد و معاون تھیں۔

اپنی عمر میں تین مرتبہ پورا قرآن شریف رمضان میں سنایا۔ پہلی دفعہ حیدر آباد میں دوسری دفعہ دلّی میں تیسری دفعہ بجنور میں۔ کثرت مشاغل کے باوجود مولانا کا ضعیفی میں حافظ قرآن ہونا ان کی دینداری کی اعلےٰ مثال ہے۔

پنشن اور مراجعت

"سدا رہے اللہ کا نام" یہ ایک مشہور مثل ہے۔ اور ہر جگہ صادق آتی ہے۔ آخر کار وہ دن بھی آگیا۔ جب مولانا کی حیدر آباد کی تگ و دو قرار اور سکون میں مبدل ہو جائے۔ اس کی روئیداد یوں ہے۔ کہ سر سالار جنگ کے آخری زمانہ میں ریاست میں انقلاب کی ہوائیں چلنی شروع ہوئیں۔ اور ہمارے مولانا تعلقداری سے۔ مجلس مالگذاری کے ممبر بنائے گئے۔ اس مجلس کے تین رُکن تھے۔ ہر ایک کی تنخواہ سترہ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئی۔ اور مولانا مستقل طور پر حیدر آباد میں رہنے لگے۔ اب سازشوں کا بازار گرم ہوا۔ مولانا نے مطلق العنانی کے مزے اُٹھائے تھے۔ ارکان میں نا اتفاقی پیدا ہونے لگی۔ مولانا نے جب یہ حالت دیکھی۔ فوراً استعفا دے دیا۔ سر سالار جنگ ثانی نے بہت دلجوئی کی۔ مگر مولانا

نے ایک نہ سُنی۔ مجبوراً استعفاء منظور ہُوا۔ اور مولانا یک بینی و دوگوش حیدر آباد سے چل کھڑے ہوئے۔ مولانا نے اپنے حیدر آباد سے آنے کے متعلق یہ فقرہ لکھا تھا۔"سر سالار جنگ کے انتقال کے بعد اُن کے سبھی آوردوں کے پائے ثبات لڑکھڑا اُٹھے۔ اور جو سب سے پہلے بھاگ کھڑا ہُوا وہ میں تھا"۔ نواب عماد نواز جنگ بہادر نے پنشن کے معاملہ میں مولانا کے ساتھ ہمدردی کی اور پنشن کی صورت یہ ہوئی کہ مولانا کی انگریزی گورنمنٹ میں مدت ملازمت بھی محسوب کر لی گئی۔ اور وہ رسالے جو تصنیف کئے تھے۔ ان کا لحاظ کرتے ہوئے پورے چھ سو روپے ماہوار کی پنشن منظور ہو گئی۔ اور مولانا بخیر و عافیت اپنے وطن مالوف میں تشریف فرما ہوئے۔

حلیہ۔عادت۔لباس وغیرہ

مولانا متوسط القامت آدمی تھے۔ بدن گداز رنگ گندمی چہرہ پُر گوشت آنکھیں بڑی اور بارعب، سینہ کشادہ، بڑھاپے میں داڑھی چھوڑ دی تھی۔ ورزش کا شوق تھا۔ مُگدر ہلایا کرتے تھے۔ وضع قطع شریفانہ اور آواز بلند تھی۔ تمام عمر سادہ لباس پہنا،

ظاہری آرائش سے نفرت تھی۔ ہندوستانی لباس ہمیشہ مرغوب طبع رہا کوٹ پتلون کالر نکٹائی کا ان کے پاس کبھی گزر نہ ہوا۔ میز کرسی کے بجائے مسند پر گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔ گویا پرانی وضع کے آدمی تھے۔ لیکن اپنے زمانے کے لوگوں کی طرح کوٹ پتلون پہننے والوں کو کافر قرار نہیں دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ وضع ظاہری کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور وہ کیا خود سعدی کہہ گئے ہیں۔

ع درویش صفت باش کلاہ تتری دار

جب دربار وغیرہ میں جاتے تھے۔ تو ٹوپی کی جگہ عمامہ اور اچکن کے اوپر چغہ پہن لیتے تھے۔ ذی علم آدمیوں کی ملاقات سے بہت خوش ہوتے تھے۔ وقت کے بڑے پابند تھے۔ ہر کام کے لئے ایک وقت اور ہر وقت کے لئے ایک کام، اُن کا دستور العمل تھا۔ پان اور حقہ دونوں مرغوب تھے۔ لیکن لت نہ تھی۔ جس طرح لباس سادہ تھا۔ اُسی طرح غذا بھی سادی اور معمولی، نہ وہ خود تکلف پسند کرتے تھے۔ نہ کسی دوسرے کے لئے تکلف کو راہ دیتے تھے۔ دائرۂ احباب بہت مختصر تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا، وہ دنیا میں ملنے ملانے نہیں آئے تھے۔ بلکہ کچھ ٹھوس کام کرنے آئے تھے۔

خط وکتابت ، ضروری سمجھ کر کرتے تھے ۔ فیشن کو اُس میں بھی دخل نہ تھا ۔ تندرستی آخر وقت اچھی رہی ۔ تمام عمر عینک نہیں لگائی ۔ سادہ غذا اور پیدل چلنے کی وجہ سے قوت ہاضمہ ہمیشہ اچھی رہی ۔ صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند تھے ۔ اور نماز میں خضوع و خشوع نمایاں تھا ۔ اور قرآن شریف کو علاوہ دینداری کے خیال کے ، ادبی لطف کی خاطر بھی مزے لے کر پڑھا کرتے تھے ۔ سماع کے نہ صرف شایق تھے ۔ بلکہ وہ اُسے جائز اور مباح سمجھتے تھے ۔ ظرافت طبع کا عنصر غالب تھا ۔ اور ہمارا خیال ہے ۔ کہ ہر ذہین اور عالم آدمی کم و بیش ظریف بھی ضرور ہوتا ہے ۔ چند لطایف و ظرایف ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ٭

(ا) جس زمانہ میں مولانا صدر تعلقہ دار تھے ۔ اُن کی پیشی میں کاشی راؤ نامی ایک اہلکار رہتا تھا ۔ وہ بوجہ مزاج شناسی ، زود نویسی اور خوش فہمی کے پیش پیش تھا ۔ سر سالار جنگ مرحوم نے ایک دفعہ اثنائے ملاقات میں بر سبیل تذکرہ مولانا سے پوچھا کہئے ۔ آپ کے ڈویژن کا کام کس طرح چل رہا ہے ؟ مولانا نے جواب دیا سارے صوبے کا کام صرف تین آنکھوں پر چلتا ہے ۔ انہوں نے متحیر ہو کر پوچھا " یہ کیونکر " مولانا نے جواب

دیا "جناب والا! دو آنکھیں میری اور ایک میرے پیش کار کی، تین ہوگئیں"

(ب) ایک دن ایک بزرگ مولانا کے پاس آئے اور کہا "مولوی دلیل الدین صاحب سے میری سفارش کر دیجئے" مولانا نے فرمایا "آپ اظہار لیاقت کریں تاکہ میں آپ کی نسبت کچھ رائے قائم کر سکوں" انھوں نے کہا "میں عربی فارسی میں کافی دستگاہ رکھتا ہوں۔ حافظ ہوں اور حاجی ہوں" مولانا نے فوراً قلم دوات لے، مولوی دلیل الدین صاحب کو رقعہ لکھا۔ کہ یہ صاحب جو اس رقعہ کے ذریعہ سے حاضر خدمت ہوتے ہیں مولوی ہیں۔ مجھ سے بہتر، آپ سے کمتر، حافظ ہیں۔ آپ سے بہتر میری برابر، حاجی ہیں۔ مجھ سے اور آپ سے دونوں سے بہتر، مدت سے امیدوار خدمت تحصیلداری ہیں۔ مجھ سے اور آپ سے دونوں سے کمتر پھر ذوق کا مشہور شعر نیچے لکھ دیا

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

(ج) ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ سر سالار جنگ مرحوم نے اپنے

عالیشان محل میں جس کا نام آئینہ خانہ تھا۔ بڑی شاندار ضیافت کا اہتمام کیا، ریاست کے تمام بڑے بڑے عہدے دار مدعو تھے، محل کی آراستگی اور سجاوٹ کو دیکھ کر نذیر احمد سا آدمی دنگ رہ گیا، جب تخلیئے میں نواب صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تو مولانا نے بے اختیار محل کی عظمت و شان کا اعتراف کیا۔ اور کہا ایسے محل کے مالک ہو کر آپ ضرور بیحد مسرور اور فرحاں ہونگے۔ یہ سن کر نواب صاحب نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا مولوی صاحب آپ کو میرا حال معلوم نہیں ہے۔ شیروانی کے بٹن کھول کر کہنے لگے "دیکھئے مجھ میں سوائے پوست و استخوان کے اور کچھ نہیں ہے۔ مولانا نے فوراً برجستہ تین مصرعے پڑھے:

ع آنرا کہ عقل بیش غم روزگار بیش

ع آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند

ع جنکے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

دہلی دربار کے زمانے میں ایجوکیشنل کانفرنس بھی وہیں منعقد ہوئی تھی۔ ایک دن کانفرنس میں مولانا لیکچر دے

رہے تھے ۔ کہ اتنے میں لارڈ کچنر کمانڈر انچیف افواج ہند کی آمد کی خبر گرم ہوئی ۔ سامعین نے خبر سنتے ہی مولانا کی طرف سے بے توجہی کی اور لگے دروازے کی طرف دیکھنے مگر کمانڈر انچیف صاحب نہ آئے ۔ تو سامعین مولنا کی طرف پھر مخاطب ہوگئے ۔ دوران لکچر میں پھر یہی خبر مشتہر ہوئی ۔ کہ کمانڈر انچیف صاحب وہ آئے ۔ سامعین یہ سن کر پھر دروازے کی طرف دیکھنے لگے ۔ مولنا نے سامعین کا یہ حال دیکھ کر لکچر تو میز پر رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر وہ آتے ہیں تو بندہ جاتا ہے " اس کے بعد فرمایا وہ کیا آتے ہیں ۔ قیامت آتی ہے ۔ اپنے اپنے گھر میں جا کر دیکھو ۔ کہیں اسقاط حمل تو نہیں ہوگئے ۔

(۷) کسی نے مولانا سے سرسید کی تفسیر کے متعلق رائے دریافت کی ۔ مولانا نے کہا میرے نزدیک وہ تفسیر دیوان حافظ کی اُن شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے محض ہٹ دھرمی کی بنا پر ساری کتاب کو تصوف بنانا چاہا ۔ جو معانی سید احمد خاں نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط

سکے۔ مگر میرے نزدیک مڑھے اور چپکائے ہیں۔ ہاں ہاں! قرآن کے مُنزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے۔ اور اُن معانی کو ماننا مشکل۔ یہ وہ معانی ہیں۔ جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہُوا نہ جبرئیلؑ کا نہ رسولؐ خدا کا نہ اصحاب کا نہ تابعین کا نہ جمہور مسلمین کا ؎

(۵) ایک مرتبہ مجمع عام میں جرنیل عظیم الدین خاں مرحوم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "مرحوم مدرسہ طبّیہ کی اعانت کے اعتبار سے السابقون الاوّلون میں سے تھے۔ غرض ان کی فضیلت انہیں کے ساتھ خاص تھی۔ اور وہ ہماری شکرگذاری کا Hons shaed لے گئے۔ جس کے وہ مستحق تھے۔ کیا مشکل ہے۔ ان لوگوں سے بات کرنا جو اتنی بھی انگریزی نہیں جانتے جتنی میں جانتا ہوں۔ لاؤ تمہیں Lons shaio کے معنی سمجھا دوں۔ اس کے معنی ہیں شیر کا حصّہ، انگریزی ریڈروں میں یہ مشہور حکایت چلی آتی ہے کہ ایک بار چار جانوروں نے شکار میں ساجھا کیا چاروں

جانوروں میں دو تو مشہور شکاری ہیں یعنی شیر اور بھیڑیا، لومڑی اگرچہ شکاری نہیں لیکن پس خوردہ خوار ہے۔ لہذا تعجب نہیں۔ اگر اُس نے بھی ساجھا کیا ہو۔ چوتھا جانور "چون بار ہمی برد عزیز است"، ہرگز شکاری نہیں ہے۔ اور مجھ کو صاف طور پر اس کا نام لینے میں تامّل ہے۔ کیونکہ حُسن ظن بزرگان معلوم۔ اس کا نام لیتے وقت جس سے آنکھیں چار ہوں گی۔ وہی بُرا مانے گا کہ مجھ پر آوازہ کسا۔ لیکن حکایت کو تو پورا کرنا ہے۔ چوتھے شریک کا نام لئے بدون چارہ نہیں لہذا میں اپنی آنکھیں بند کرکے کہتا ہوں۔ وہ چوتھا شریک گدھا تھا"۔

(ز) سر سالار جنگ ثانی نواب میر لائق علی خاں بہادر نے مولانا سے تعلیم پائی تھی۔ اس لئے اُن کا ادب کرتے تھے، اپنے باپ کے انتقال کے بعد جب وہ مدارالمہام ہوئے۔ تو مولانا کو حکم دیا کہ ہفتہ میں دو بار مجھے پڑھا دیا کیجئے قہر درویش بجان درویش، مولانا نے "ٹیوشن" شروع کیا، لیکن نواب صاحب ایک تو امیر کبیر، دوسرے

مدار المہام، گھنٹوں مولنا انتظار میں بیٹھے رہتے - اب بلاتے ہیں، جب بلاتے ہیں - کبھی بلایا کبھی نہیں بلایا کبھی بلایا تو گپ شپ میں وقت ضائع کر دیا - دو چار دن مولانا نے صبر کیا - جب متواتر یہی نوبت ہونے لگی تو مولانا نے عرض کیا سرکار! آپ تو اب خدا کے فضل سے مدار المہام ہو گئے - اس سے بڑھ کر اور کیا رتبہ ہو سکتا ہے - پھر اب پڑھنے پڑھانے کی کیا ضرورت ہے - آپ کو ضرورت نہیں اور مجھے فرصت نہیں - میں معافی کا خواستگار ہوں " نواب صاحب نے کہا " بہت اچھا "

(۳) مولنا سے اور نواب محسن الملک سے بہت بے تکلفی تھی - مولنا کسی وقت اُن سے نہیں چوکتے تھے - ایک روز مولویت کا ذکر چل پڑا - کسی نے کہا - نواب محسن الملک بہادر بھی مولوی ہیں - (نواب صاحب واقعی عالم تھے -) مولنا نے یہ سن کر فوراً کہا - اگر مہدی علی مولوی ہیں - تو پھر یہ جو سامنے کھڑا ہے - یہ بھی "مولوی چاند خاں" ہے - واضح ہو کہ چاند خاں

مولانا کا قدیمی رفیق سفر اور ملازم خاص تھا - اس کی
داڑہی بہت لمبی تھی - اور پابند صوم صلوٰۃ بھی تھا ٭
(ط) جس وقت سر سالار جنگ ثانیٰ شملہ سے لوٹتے ہوئے
علی گڑھ تشریف لے جا رہے تھے - تو نواب محسن الملک
نے تار دے کر مولنا کو دہلی سے علی گڑھ بلوایا، مولنا
غازی آباد ہی جا کر مل لئے، اسپیشل ٹرین پلیٹ فارم
پہ کھڑی تھی - اور سر سالار جنگ معہ اسٹاک کے ڈائننگ
روم میں خاصہ تناول فرما رہے تھے - اطلاع ہوئی معاً
بُلا لیا، مولوی بشیرالدین احمد بھی ساتھ تھے - نذر
دکھائی سر سالار جنگ نے مولنا کو اپنے پاس بٹھا لیا -
اور کہا "مولنا کہئے پنشن تو آپ کو ماہ بماہ پہنچتی رہتی
ہے" مولنا نے کہا "جی ہاں! ملے جاتی ہے - لیکن
جس ماہ کی مل جاتی ہے - اُسی کو میں اپنی سمجھتا ہوں -
آیندہ ماہ کی امید نہیں رکھتا" فرمایا "آپ ناحق حیدرآباد
سے چلے آئے اور آنے میں بہت عجلت کی - اب بھی
آپ وہاں چلے آئیے - باوا جان (سر سالار جنگ اوّل)
کی لایف آپ سے بہتر کون لکھ سکتا ہے" کہا "نمک خوار

سرکار ہوں - مگر معافی کا خواستگار ہوں - اب جس حال
میں ہوں - وہی میرے لئے مناسب ہے - ایک مرتبہ جا
کر تو پنشن پر نکالا گیا کہیں ایسا نہ ہو کہ اب کی بار
پنشن سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جائیں - نواب صاحب کو اس
پر ہنسی آگئی *

(۳۶) جب مولانا پنشن لے کر خانہ نشین ہوئے - دلی کے
حکام کو ان کے مرتبہ سے آگاہی نہ تھی - ڈپٹی کمشنر
نے کسی جلسہ میں رؤساء شہر کو مدعو کیا - اور فہرست
میں مولانا کا نام بھی معمولی طور پر درج تھا - مولانا کو
یہ دعوت ناگوار ہوئی - حاشیہ پر لکھ دیا " اگر یہ طلبی
سرکاری ہے - تو سمن یا وارنٹ آنا چاہیئے - دوستانہ بلاوا
ہے تو چٹھی آنی چاہیئے اور یہ دو صورتیں نہیں ہیں - تو
پھر میں نہیں آسکتا " ڈپٹی کمشنر نے اس ریمارک کو
دیکھ کر نوٹس لیا - اور تحصیلدار سے پوچھا - یہ کون شخص
ہے - اس نے مفصل طور پر آگاہی دی - ڈپٹی کمشنر
نے کہا " ول تحصیلدار صاحب جب یہ بات تھا - تو تم
نے ہم سے پہلے ہی کیوں نہ بول دیا " فوراً نجی طور

پر چھٹی لکھی اور معذرت کی، تحریری نہیں بلکہ زبانی ۔
(ک) جس زمانہ میں مولانا جالون میں ڈپٹی کلکٹر تھے ۔ اور
بندوبست کے سلسلہ میں دورہ کر رہے تھے ۔ رمضان کا
مہینہ تھا ۔ ایک متشددفی المذہب دوست ملنے آگئے ،
مولانا حقہ پی رہے تھے ۔ تعجب سے پوچھا کیا آپ کا
روزہ نہیں ہے ۔ کہا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے ۔ آپ
دیکھتے ہی ہیں انہوں نے پوچھا جناب کیا عذر ہے ۔
مولانا نے کہا دورے میں ہوں ، انہوں نے کہا دورے کو
ابو حنیفہؒ نے سفر تسلیم نہیں کیا ۔ لہذا دورہ پر ہونا
شرعی عذر نہیں ۔ مولانا نے کہا ۔ بھائی یہ امام ابو حنیفہؒ
کون ہیں ؟ انہوں نے کہا ۔ جناب یہ آپ کیسی باتیں کر
رہے ہیں اجی وہی امام ابو حنیفہؒ جن کے آپ اور ہم سب
مقلد ہیں ، مولانا نے کہا بھائی وہ کہیں سرکاری بندوبست
کے ڈپٹی کلکٹر یا اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر بھی رہے تھے ؟ اس
دوست نے یہ سن کر دینداری کے جوش میں لاحول پڑھی ۔
اور بولے میاں اُن کی شان اس سے کہیں ارفع اور اعلےٰ
تھی ۔ انہوں نے خدمت قضاء تو قبول کی نہیں ۔ آپ کی

ڈپٹی کلکٹری کیا چیز ہے ؟ مولنا نے کہا - امام صاحب تو
دورے کو سفر نہیں مانتے - اور گورنمنٹ تین روپے یومیہ
بھتہ دیتی ہے - برائے خدا یہ مسئلہ کہ دورہ سفر نہیں
ہے کسی انگریز کو نہ بتا دیجئے - ورنہ ہم مسلمان ڈپٹی
کلکٹروں کا مفت میں نقصان ہو جائیگا ۔

(ل) مولنا فرماتے تھے کہ ایک دفعہ مرزا غلام احمد قادیانی
کے مرید میرے پاس آئے - اور کہنے لگے "مرزا صاحب
کی صداقت کی ایک دلیل یہ ہے - کہ سارا پنجاب
اُن کا قایل ہے" میں نے کہا - پنجاب کے لوگوں کی
سند نہیں ہے - اُن کی ڈھل مُل یقینی کا تو یہ حال
ہے - کہ اگر میں چھ مہینے وہاں پھروں اور مرزا کی طرح
نبوۃ کا نہیں بلکہ خدائی کا دعوے کروں - تو ہزاروں
مرید بن جائیں گے - اسی طرح مرزا صاحب کی نسبت
ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا کہ مرزا صاحب کو تو کوئی مسیح موعود
کیا مانے گا یہ وہ زمانہ ہے کہ اگر اصلی مسیح بھی اُتر آئیں
تو اُن کو بھی کوئی نہ مانے ۔

(م) ایک دفعہ دلی میں یہ بحث شروع ہوئی کہ اجمیر شریف

کہنا جائز ہے یا نہیں۔ مولانا نے فرمایا۔ اگر مزاج شریف
کہنا جائز ہے تو اجمیر شریف بھی +
(ن) سر سالار جنگ اوّل کے آخر زمانہ میں ایک ریونیو بورڈ
قائم ہؤا تھا۔ اور اس بورڈ کے تین ممبر مقرر ہوئے
تھے۔ مولوی دلیل الدین کو جوع البقر کا عارضہ تھا۔
منشی اکرام اللہ خاں شوقین مزاج تھے۔ اور مولٰنا کفایت
شعاری میں مشہور تھے۔ بورڈ کے ممبروں کی بابت
ایک دفعہ سر سالار جنگ نے دریافت کیا۔ تو مولانا
بولے ہم ارکان ثلٰثہ "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا" کے
مصداق ہیں +
(س) حکیم عبد المجید خاں صاحب کے ہاں ایک جلسہ تھا۔
مولٰنا تقریر کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں کسی نے
مولٰنا کو حالی مرحوم کا تصنیف کردہ۔ رقعۂ شادی دیا،
مولٰنا نے وہ رقعہ لے لیا۔ اور اس کے متعلق کچھ
فرمانے لگے۔ سر سید بھی وہاں موجود تھے۔ اُنہوں نے
اشارہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ سر سید نے ایک بے تکلفانہ
شان سے پوچھا تھا۔ مگر مولٰنا نے ایک خاص تیور سے

کہا "میاں جی عیدی نہیں ہے" اس فقرے پر سارا جلسہ ہنس پڑا۔ اور سرسید خفیف ہو کر رہ گئے"

(ع) دہلی دربار کے زمانہ میں ایجوکیشنل کانفرنس بھی وہیں ہوئی تھی۔ مولانا لکچر دے رہے تھے۔ کہ اتنے میں کسی ریاست کے ریزیڈنٹ جلسہ میں آئے۔ نواب محسن الملک مرحوم نے مولانا کا اُن سے تعارف کرایا۔ اور یہ بھی کہا کہ آپ عربی بھی جانتے ہیں۔ مولانا نے نہایت سادگی اور سوکھے مُنہ سے فرمایا "جی ہاں جس قدر عربی آپ جانتے ہونگے۔ اس قدر انگریزی میں بھی جانتا ہوں"

(ف) اسی کانفرنس کے صدر اس سال ہز ہائینس آغا خاں بالقابہ تھے۔ جس وقت مولانا کا لکچر ہو رہا تھا۔ وہ غیر حاضر تھے۔ لیکن دوران لکچر میں تشریف لے آئے۔ اور کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ باوجودیکہ پنڈال میں ہزارہا مسلمان زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے بیٹھے تھے۔ لیکن سر آغا خاں کے آنے پر سب کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ نواب محسن الملک نے مولانا کا صدرِ محتشم سے تعارف

کرایا، مولینا نے بڑی متانت سے ہز ہائینس کی طرف دیکھ کر خسرو کا شہرۂ آفاق شعر پڑھا ؎

آفاق ہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام امّا تو چیزے دیگری

اس پر نہ صرف حاضرین جلسہ ہی خوش ہوئے ۔ بلکہ ہز ہائینس بھی منہ پر رومال رکھ کر تھوڑی دیر تک مسکراتے رہے ۔

ان لطایف سے جہاں ہمارے ناظرین کی تفریح ہوئی ہوگی۔ وہاں یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہوگی ۔ کہ ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم کس قدر علمی قابلیت کے انسان تھے ۔ کیونکہ بغیر قابلیت کے کوئی شخص ظریف نہیں ہو سکتا ۔ مولینا نے باقاعدہ کتب خانہ ترتیب نہیں دیا ۔ اگر وہ چاہتے۔ تو اُن کا ذاتی کتب خانہ ہندوستان میں دیکھنے کی چیز ہوتا ۔ چنانچہ حضرت آزاد مرحوم کا کتب خانہ پنجاب میں ایک علمی یادگار ہے ۔ لیکن مولینا کو سستی کتابوں کی قیمتی جلدیں بندھوا کر آئینہ کی الماریوں میں سجانے کا شوق نہ تھا ۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مولینا

کا حافظہ نہایت زبردست تھا ٭
انہوں نے اپنے دوست کو جن کی کتاب حیات النذیر سے یہ اوراق ماخوذ ہیں ۔ ایک مرتبہ لکھا تھا "آپ اس بات کو شاید بڑے تعجب سے سنینگے ۔ کہ کتبخانہ جس شے سے عبارت ہے ۔ وہ میرا دماغ ہے ۔ ورنہ کتاب کے نام سے میرے پاس ایک پُرزہ بھی محفوظ نہیں باایں ہمہ ساری عمر مطالعہ میں گذاری تعلیم دینے کا شوق آخر عمر تک رہا ۔ اور یہ بات انکی علم دوستی پر ایک روشن دلیل ہے ۔ اُونچی جماعتوں کے طلباء مولنا کی اس صفت سے بیحد استفادہ حاصل کرتے تھے ۔ عموماً ایم اے یا مولوی فاضل کے طلباء کو پڑھایا کرتے تھے ۔ علم ادب سے خاص شغف تھا اور عربی کا اعلےٰ ترین لٹریچر مثلاً حریری متنبی حماسہ قصاید معلقہ قریب قریب ازبر تھا ۔ حیدرآباد میں تلنگی زبان سیکھ لی تھی ۔ سنسکرت سے خاص دلچسپی تھی ۔ گورنمنٹی ملازمت میں ایک پنڈت سے سنسکرت پڑھتے تھے ۔ اور پنشن لیکر بھی یہ شوق جاری رہا ٭
باوجود اس امارت اور وجاہت کے نہایت محنتی اور جفاکش انسان تھے ۔ راستبازی انکا وتیرہ اور دیانت انکا شیوہ تھا ۔ مزاج میں کینہ بالکل نہ تھا ۔ مذہبی تعصب سے کوسوں دُور تھے انکا مقولہ تھا

"مذہب ایک معاملہ ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان انسان کو یا کسی کو کیا حق کہ اس میں دست اندازی کرے" قومی اور ملکی ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اُن کے لکچروں سے، علمی قابلیت کے علاوہ انکی غیرت ایمانی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ علی گڑھ کالج کے بورڈنگوں پر کم و بیش پچپنّن ۲۵ ہزار روپے صرف کئے۔ چندوں میں دس ہزار سے زیادہ ہی دیا ہوگا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کو قرآن مجید کی پانچسو جلدیں عنایت کیں۔ تعلیمی وظائف دئے۔ حتیٰ کہ ان کے لکچروں نے بارہا حاضرین کی جیبیں انجمن کے لئے خالی کرا دیں۔ چنانچہ خود کہتے ہیں *

یہ دلوانا بھی دینے ہی میں داخل ہے اگر سمجھو۔ کہ مثل خیر ہے گر خیر کے اُوپر دلالت ہو۔ انجمن حمایت اسلام لاہور اور تعلیمی کانفرنس مسلمانان ہند کے تمام سالانہ جلسوں میں شریک ہوئے اور دھواں دہار تقاریر سے مردہ دلوں میں جان ڈالی اور چندے کے ڈھیر لگوا دئے۔ تحریر کی طرح تقریر میں بھی مولٰنا اپنے زمانہ میں وحید اور فرد تھے۔ یورپ میں ہوتے۔ تو آج انکی یادگاریں قایم ہوتیں، اور خدا جانے کس قدر اعزاز دیا جاتا۔ مگر واہ رے ہندوستان *

تصنیفات

مولانا صاحب کی تصانیف کثیرہ تھیں۔ اور اُن کی ساری کتابیں اس قابل ہیں کہ آج ہمارے بچوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئیں۔ تفصیل وار ذیل میں درج کی جاتی ہیں *

(۱) مرأۃ العروس :- اپنی بیٹی کے لئے تصنیف کی تھی اور جب اس کی شادی ہوئی تو یہی کتاب اس کے جہیز میں دی سال تصنیف غالباً ۱۸۶۵ء ہے۔ اب شاید ہی کوئی شریف خاندان شمالی ہندوستان میں ایسا ہوگا۔ جہاں لڑکیوں نے مرأۃ العروس سے فائدہ نہ اُٹھایا ہو۔ سوچو تو سہی کیسی کتاب لکھی! گویا تمام مسلمانوں کی لڑکیاں ۶۰ سال سے مولانا کی بڑی لڑکی کے جہیز سے فائدہ اُٹھا رہی ہیں۔ اب مولانا کی خوش قسمتی کا حال سنئے :-

مولانا نے یہ کتاب جالون میں تصنیف کی تھی، صوبہ کے افسر تعلیم یعنی (Director) دورہ کرتے ہوئے مولانا کی

کوٹھی کے قریب فروکش ہوئے۔ شام کو مولانا کے صاحبزادے ٹانگن پر سوار ادھر سے نکلے۔ صاحب کو دیکھ کر، ٹانگن سے اُتر پڑے اور جھک کر سلام کیا صاحب بہادر اُن کے اخلاق سے بہت خوش ہوئے پوچھنے لگے کیا پڑھتے ہو اُنھوں نے کہا "چند پند" صاحب بولے "یہ نام تو ہم نے سُنا بھی نہیں" انھوں نے جواب دیا۔ جناب ہم لوگ اپنے باپ کی بنائی کتابیں پڑھتے ہیں اگر آپ کہیں تو لاکر دکھاؤں صاحب نے کہا ضرور لاؤ۔ میاں بشیر بستہ اٹھا لائے۔ صاحب نے کہلا کر بھیجا ہمیں ان کی نقلیں کرا دیجئے" مولنا وہ شخص تھے جنھوں نے جان پر کھیل کر مسیم کو گھر میں چھپایا تھا راتوں رات نقلیں کرا کے صاحب کے پاس بھجوا دیں۔ دو ماہ بعد خط آیا کہ مرأۃ العروس ایک ہزار روپے انعام کی مستحق ہے، ۱۸۶۹ء میں سر ولیم میور نے آگرہ میں دربار کیا اور سر دربار مولنا کے علم و فضل کی تعریف کی علاوہ سرکاری رقم کے ایک قیمتی کیرج کلاک اپنی طرف سے دیا۔

۲ **منتخب الحکایات:** جسے چھوٹی بیٹی کے لئے ۱۸۶۹ء

میں تصنیف کیا تھا اور محکمۂ تعلیم نے اُسے تمام مدارس
میں جاری بھی کر دیا تھا ؛
(۳) چند پند :- اپنے بیٹے کے لئے ۱۸۶۹ء میں لکھی تھی اس
میں بچّوں کے لئے بہت مفید باتیں اور سبق آموز اشارات
درج ہیں ؛
۴ نصاب خسرو :- ۲۸ صفحہ کا رسالہ ہے جو فارسی سیکھنے میں
معاون ہوگا اس میں ۸۵۷ الفاظ ہیں اور سررشتہ تعلیم
نے اسے بھی داخل کورس کیا تھا ؛
(۵) صرف صغیر :- قواعد فارسی کا مختصر رسالہ ہے اور طرفہ یہ کہ
منظوم ہے -
مثلاً :- بتاؤں ماضی کی تم کو قسمیں کہ چھ ہیں گنتی میں جان بابا
ہے پہلے مطلق جو نون مصدر کو حذف کر ڈالو بے محابا ؛
(۶) رسم الخط :- ۳۲ صفحہ کا رسالہ ہے جس میں صحیح لکھنے کے قواعد
درج ہیں ؛
(۷) بنات النعش :- اس کتاب کو مرأۃ العروس کا دوسرا حصّہ
سمجھو ۱۸۷۲ء میں گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کی گئی - اور
پانچ سو روپیہ بطور انعام سرکار کی طرف سے عطا ہوا -

مرأۃ العروس اور بنات النعش دونو کتابیں لڑکیوں کے لئے بہت مفید ہیں +

(۸) توبۃ النصوح :- یہ کتاب اعظم گڈھ کی تصنیف ہے اس کتاب میں انسان کے اس فرض کا بیان ہے - جو تربیت اولاد کے نام سے مشہور ہے - یہ کتاب بہت مقبول ہوئی - اور یورپین صاحبان کے امتحان میں بھی شامل کی گئی +

(۹) ما یغنیک فی الصرف :- عربی علم صرف میں سو صفحہ کا رسالہ ہے - یہ کتاب ۱۸۹۲ء میں تالیف کی تھی - مولانا فرماتے ہیں " اس کا پڑھنے والا صرف کا محقق تو نہیں ہو جائے گا - مگر ہاں ضروری باتوں کو سمجھ لے گا - اور بڑی بڑی کتابوں سے بے نیاز ہو جائے گا +

(۱۰) مبادی الحکمت :- ۱۸۷۰ء میں لکھی گئی - علم منطق میں بہت مفید اور دلکش کتاب ہے - گورنمنٹ کی طرف سے پانچ سو روپیہ انعام ملا تھا - بنگال یونیورسٹی نے داخل کورس کر لی تھی - غالباً اب بھی ہو گی +

۱۱ موعظۂ حسنہ :- مولانا کے اُن خطوط کا مجموعہ جو انہوں

سے وقتاً فوقتاً اپنے بیٹے کے نام لکھے اور وہ انہیں جمع کرتے گئے، دراصل یہ خطوط اس قابل ہیں کہ ہر طالب علم انہیں غور سے پڑھے ؂

(۱۲) **ابن الوقت**:۔ ۱۸۸۸ء میں تصنیف کیا بہت دلچسپ ناول ہے جس میں یہ بات دکھائی گئی ہے کہ انگریزوں کی تقلید تمدنی اور معاشرتی پہلوؤں سے مسلمانوں کے حق میں مفید نہیں ہے ؂

(۱۳) **محصنات**:۔ اس ناول میں تعداد ازدواج کے نقائص دکھائے ہیں ۱۸۸۵ء میں لکھی گئی ؂

(۱۴) **ایامیٰ**:۔ اس کتاب میں بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کی ضرورت نہایت دل پذیر پیرایہ میں دکھائی گئی ہے ؂

(۱۵) **رویائے صادقہ**:۔ دراصل مولانا کے مذہبی عقاید کا آئینہ ہے۔ اس میں دکھایا ہے کہ سچا اسلام بالکل عقل کے مطابق ہے ؂

(۱۶) **ادعیۃ القرآن**:۔ قرآن شریف میں جو دعائیں مرقوم ہیں ان کو یکجا کر دیا ہے ؂

(۱۷) **ہفت سورہ و دہ سورہ**:۔ قرآن شریف کی منتخب

سورتوں کو یک جا کر دیا ہے +

(۱۸) الحقوق و الفرایض :- علم کلام میں ایک عمدہ کتاب ہے - جس میں اسلامی عقاید کا مفصل اور دل پذیر پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے +

(۱۹) تاریخ دربار تاجپوشی :- ۱۹۰۳ء کے دربار کے انگریزی حالات کا اُردو ترجمہ ہے جس پر سرکار سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا مگر مولانا نے واپس کر دیا +

(۲۰) اجتہاد :- اسلام کی تائید میں مختلف دلائل و شواہد مہیا کئے گئے ہیں - رویائے صادقہ الحقوق و الفرایض اور اجتہاد تینوں کتابیں مولانا کی اسلامی خدمت پر روشن دلیل ہیں +

(۲۱) امہات الامۃ :- اس میں آنحضرت صلعم کی متاہل زندگی کے حالات ہیں اور آپ کی ازواج کے سوانحِ عمری مندرج ہیں - اس کتاب کی بنا پر مولانا ، ہدف تکفیر بھی ہوئے اور اس مبارک تقریب کی وجہ سے نذیر احمد دہلوی ، امام رازی ، ابن رشد ، ابن حزم ، ابن حنبل وغیرہم کی صف میں کھڑا ہو گیا +

(۲۲) **مجموعہ لکچرز** :- دو جلدوں میں ان کے بیٹے نے تمام تقریریں جو مل سکیں، شائع کر دیں ⁂

(۲۳) ان کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ، جس نے ان کو حیات جاوید بخشی، قرآن مجید کا بامحاورہ ترجمہ ہے جو اس قدر مقبول ہوا کہ قریب ایک لاکھ جلدوں کے نکل چکی ہیں۔ اور اس کے علاوہ مطالب القرآن میں ترجمہ کے ساتھ تحقیق الفاظ بھی کی ہے۔ وہ علیحدہ چھپا ہے ⁂

وفات

۲۷۔ اپریل ۱۹۱۲ء کو رات کے بارہ بجے فالج گرا اور ۳۔ مئی ۱۹۱۲ء کو وفات پائی۔ تمام ملک نے اس علم کے دریا کا ماتم کیا ⁂

اولاد

دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بہت سی اولاد میں سے زندہ رہے۔ لڑکے کا نام مولوی بشیر الدین احمدؒ صاحب ہے جو آج کل دہلی کھاری باولی میں رہتے ہیں۔ اُن کے کئی لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ بڑے لڑکے کا نام منذر احمدؒ ہے جو ایل، ایل بی میں پڑھ رہے ہیں۔ اور اس سے چھوٹے کا نام شاہد احمدؒ ہے جس نے امسال مشن کالج لاہور سے ایف ایس سی کا امتحان دیا ہے ۱۲

(ماخوذ از حیاۃ النذیر)

فرہنگ

الفاظ و معنی

اثاث البیت ۔ گھر کا سامان ٭

ارباب حل و عقد ۔ ذمہ دار لوگ ٭

استفادہ ۔ فائدہ اٹھانا ٭

بادی النظر ۔ ظاہرا طور پہ ٭

پس خوردہ ۔ بچا کھچا ٭

پندار ۔ یقین ٭

تورّع ۔ پرہیزگاری ٭

تگ و دو ۔ دوڑ دھوپ ٭

تخلیہ ۔ تنہائی ٭

تابعین ۔ وہ لوگ جنھوں نے اصحاب رسول کو دیکھا ہو ٭

الفاظ و معنی

جبروت ۔ عظمت ٭

صایب ۔ مضبوط یا استوار ٭

عُشر عشیر ۔ ۱/۱۰ ٭

فرحان ۔ خوش ٭

متبحر ۔ عالم فاضل ٭

مُمِد ۔ مددگار ٭

مباح ۔ جس کے کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو ٭

منطوق ۔ لفظ یا عبارت ٭

منزل من اللہ ۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ٭

الفاظ و معنی	الفاظ و معنی
معاً — فوراً ۔	محابا — خوف ۔
متشدد فی المذہب — دین پر سختی کے ساتھ عمل کرنے والا ۔	نصف النہار — دوپہر ۔
محتشم — معزز ۔	واجب الاذعان — سننے کے لائق ۔

فقط

۱۰۱۷۵۴

باہتمام لالہ موتی رام منیجر مفید عام پریس واقع چیٹر جی روڈ لاہور میں چھپی ۔ اور رائے صاحب لالہ سوہن لعل ایم ۔ ایل ۔ اے پروپرائیٹر رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لاہور نے شائع کی ۔